مولانا محمد جعفر پھلواروی

ایک حدیث

مجبوروں کا استحصال

ابوداؤد - کتاب البیوع باب ۲۶ - حدیث ۳۳۸۲ میں سیدنا علی المرتضیٰ سے ایک اثر یوں مروی ہے:

سیأتی علی الناس زمان عضوض یعض الموسر فیہ علی ما فی یدیہ ولم یؤمر بذلک - قال اللہ تعالیٰ: ولا تنسوا الفضل بینکم - ویبایع المضطرون وقد نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع المضطر - (وبیع الغرر و بیع الثمرۃ قبل ان تدرک)

عن قریب لوگوں پر ایک ایسا سخت وقت آئے گا کہ خوش حال اپنے قبضے کی چیز کو دانتوں سے پکڑے ہوئے ہوگا - اور بے بس لوگ سودا کرنے پر مجبور ہوں گے - حالاں کہ ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: باہمی فضل کو فراموش نہ کرو - اور آنحضور نے مجبور سے سودا کرنے کی ممانعت فرمائی ہے -

اسی مضمون کی روایت جناب جعفر صادقؒ سے اثنا عشریوں کی تین اصولی کتابوں میں موجود ہے - (الاستبصار فیما اختلف من الاخبار للطوسی ج ۳ ص ۷ - تہذیب الاحکام للطوسی ج ۲ ص ۱۲۳ اور اصول کافی للکلینی ج ۱ ص ۲۱۵) اور آخر میں یہ الفاظ ہیں: اولئک ھم شرار الناس یعنی (مجبوروں سے سودا کرنے والے لوگ بدترین خلائق ہیں) اور مسند احمد میں بھی اسی مضمون کی روایت تقریباً انہی الفاظ سے موجود ہے - سنیوں کی صحاح ستہ میں (بجز ابوداؤد کے) بیع مضطر کی یہ روایت موجود نہیں لیکن اس سے ملتی جلتی بعض چیزوں کا ذکر ہے -

یہ حدیث بظاہر تو حضرت علیؓ کا ارشاد معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ حدیث نبوی ہے جس کا اظہار انھوں نے یوں فرما دیا ہے کہ حضور نے "بیع مضطر" سے منع فرمایا ہے - یہ بیع مضطر یعنی مجبوروں سے سودا کرنے کا کیا مطلب ہے اسے محمد محی الدین عبدالحمید حاشیے پر یوں واضح

فرماتے ہیں :

بیع المضطر یحتمل وجہین : احدھما ان یکرہ مکرہ علی العقد، فھذا فاسد، والثانی ان تلجئہ حاجۃ من دین او ادارۃ نفقۃ فیبیع ما فی یدہ بثمن بخس تحت ضغط الحاجۃ، فھذا جائز ماض نافذ، غیر ان الدین والمروءۃ یقتضیان ان لا یبایع علی ھذہ الحال ولکن یعان بالقرض ونحوہ ویستمہل الی میسرۃ وبلاغ۔

بیع مضطر کی دو صورتیں ہیں - ایک یہ کہ کوئی شخص اسے معاملہ کرنے پر مجبور کرے - ایسی بیع فاسد ہوگی - دوسرے یہ کہ اسے ضرورتِ قرض یا معاشی تنگی مجبور کرے اور ضرورت کی مجبوری سے وہ اپنی کوئی شے ادنے پونے فروخت کر دے - ایسی بیع جائز اور نافذ تو ہوگی لیکن دین اور مروت کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی صورت حال میں اس سے معاملہ نہ کیا جائے بلکہ قرض وغیرہ سے اس کی مدد کی جائے اور اسے فراخی آنے تک مہلت دی جائے۔[1]

اکل بالباطل کی جتنی شکلیں ہیں ان سب کا احاطہ ایک لفظ استحصال یا استغلال سے ہو جاتا ہے - حرام خوری کی جتنی صورتیں ہیں وہ شریعتِ خداوندی میں اس لیے ممنوع ہیں کہ ان میں استحصال و استغلال کی کوئی نہ کوئی شکل موجود ہوتی ہے - سود خوری، رشوت خوری، قمار بازی فریب کاری، لوٹ کھسوٹ، جبری سلب و نہب، منافع خوری، گراں فروشی، ملاوٹ، اٹکل پچو سوداگری، احتکار و اکتناز، غرض ناجائز آمدن کی تمام قسمیں اسی لیے حرام ہیں کہ اس میں استحصال ہوتا ہے یعنی ایک فریق مجبور اور دوسرا جابر ہوتا ہے -

ضرورت مند صدقات کا مستحق ہوتا ہے - اگر صدقات نہ ہوں تو وہ قرض کا مستحق ہوتا ہے - ادائے قرض میں دشواری ہو تو معاف کر دیے جانے کا مستحق ہوتا ہے ورنہ مزید مہلت کا ضرور ہی مستحق ہوتا ہے - یہ سب کچھ قرآن کریم میں موجود ہے - لیکن سود خوار اس ضرورت مند کی مجبوری سے خود غرضانہ فائدہ اٹھاتا ہے یعنی نہ اسے صدقہ دیتا ہے نہ قرض، نہ مہلت، بلکہ الٹا اس سے اور سود در سود وصول کرتا ہے اور پھر سود در سود کی دلدل میں ایسا پھنسا دیتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ

---

[1] میرے محترم بھائی مولانا شمس الحق ڈیانوی نے ابوداؤد کی شرح "عون المعبود" میں بیع المضطر کی یہی تشریح فرمائی ہے -

کھو کر بھی اس دلدل سے نہیں نکل پاتا۔

یوں ہی دوکاندار اپنے گاہکوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اس سے زیادہ سے زیادہ دام وصول کرتا ہے۔

غرض استحصال نام ہی ہے مجبوروں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کا۔ اور "اکل بالباطل" کی قرآنی اصطلاح ان ساری شکلوں پر حاوی ہے۔ اسی کی ایک شکل "بیع المضطر" بھی ہے جس سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اس کی یہ شکل بتائی ہے کہ خوش حال شخص اپنے مال و دولت، گھر، اثاث البیت، جائداد وغیرہ کو پوری طرح اپنی گرفت میں اور محفوظ رکھتا ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں آنے دیتا بلکہ اس کی ہوس مال میں مزید اضافہ ہوتا رہتا ہے اور ایسے موقع کی تاک میں لگا رہتا ہے کہ کوئی پریشان حال مل جائے تو اس کی پریشانی سے فائدہ اٹھا کر اپنی دولت میں اضافہ کر لیا جائے۔ مثلاً کسی غریب کو فاقہ یا اور کوئی شدید ضرورت در پیش آ جاتی ہے یا اسے قرض ادا کرنا ضروری ہوتا ہے تو اس وقت اس خوش حال سے وہ امداد کا خواہش مند ہوتا ہے تو وہ بدبخت اس کا قرض معاف نہیں کرتا، اسے مزید مہلت بھی نہیں دیتا بلکہ اس کی غربت سے فائدہ اٹھانے کی فکر کرنے لگتا ہے۔ یعنی اس کا مکان یا بچی کھچی زمین، کوئی اور استعمالی چیز اونے پونے خرید لیتا ہے۔ سو کی چیز ہو تو پچاس دیتا ہے۔ ضرورت مند یا غریب کو مجبوراً اپنی مرضی کے خلاف یہ سودا کرنا پڑتا ہے۔ اسی انسانیت کش معاملے کا نام ہے۔ "بیع المضطر" جس سے حضورؐ نے روکا ہے۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ اس غریب کی کوئی چیز معمولی رقم کے عوض رہن رکھ لی جاتی ہے اور ایک عرصے کے بعد قُرقی کی شکل میں اس کا نتیجہ نکلتا ہے۔

پھر خوش حال شخص اگر جاگیر دار ہو تو چھوٹے زمینداروں سے زمین خرید کر اپنی جاگیر میں اضافہ کرتا ہے اور اپنے مزارعین کو کبھی خوش حال نہیں ہونے دیتا۔ زندگی بھر اس کا استحصال یوں کرتا ہے کہ اس سے مزدوری کراتا ہے مگر پورا معاوضہ نہیں دیتا۔ اس سے مفت بیگار لیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی آبرو بھی لوٹتا ہے۔ اسے تعلیم سے محروم رکھتا ہے۔ اسے آگے بڑھنے میں ہر ممکن رکاوٹ ڈالتا ہے۔ اپنا غلام بنائے رکھتا ہے۔ یعنی محض یہی نہیں کرتا کہ اس کی کوئی چیز سستے داموں

خرید لے بلکہ اس کی محنت اور اس کی آبرو تک سستے داموں خرید تا ہے اور "یہ بیع مضطر" یا مجبوروں کے استحصال کی بدترین قسم ہے جو انسان سوچ سکتا ہے۔

ہم امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کردار پڑھ کر حیران ہو جاتے ہیں کہ ایک شخص ایک قیمتی کپڑا فروخت کرنے کے لیے آپؒ کے پاس آیا اور اس کے دام دوسَو درہم بتائے۔ ذرا سوچیے ایسے موقع پر خریدار (جو خود بھی کپڑوں کا تاجر ہو) کیا کرتا ہے۔ وہ دام کم کرانے کی غرض سے مول تول کرتا ہے۔ اگر فروخت کرنے والا سادہ لوح ہو تو مال میں دس عیب نکال کر اسے کم سے کم دام پر معاملہ چکا دیتا ہے یا زیادہ سے زیادہ وہ یہ کرسکتا ہے کہ اگر اسے باتوں سے قائل نہ کر سکے تو مطلوبہ دام دے کر سودا کرلے گا۔ لیکن امام اعظم کا کردار ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ: بھئی تم نے اس کپڑے کی قدر و قیمت کو اچھی طرح پہچانا نہیں۔ اس کی قیمت کم از کم پانچ سو درہم ہونا چاہیے۔ شاید وہ سمجھ رہا ہوگا کہ امام صاحب مجھے بے وقوف بنا رہے ہیں لیکن جب آپ نے پانچ سَو درہم اس کے ہاتھ میں دے دیئے تو وہ حیران رہ گیا اور اس دیانت و امانت کا کردار دیکھ کر دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔ یہاں کوئی مجبوری نہ تھی۔ وہ فروستندہ اپنی خوشی سے دوسو درہم طلب کر رہا تھا۔ آپ اگر اسے مجبور یا سادہ لوح دیکھ کر دام گرا لیتے تو شارحِ ابوداؤد (محمد محی الدین عبدالحمید) کے فقہی فتوے کے مطابق یہ بیع جائز اور نافذ ہوتی لیکن دین اور مروت کے تقاضوں کے مطابق نہ ہوتی جیسا کہ خود شارح نے اس کے بعد ہی لکھ دیا ہے۔

امام صاحبؒ نے قیمت کو کم کرانا تو الگ رہا منہ مانگے دام کو بھی کم سمجھا۔ منہ مانگی قیمت کے فقہی جواز میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن وہ فتوٰی ہوتا تقوٰی نہ ہوتا۔ آپ نے کسی کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھانے کو بھی استحصال تصور کیا اور وہی دام ادا کیے جو واقعیت اور دیانت و ایمان کے تقاضے کے مطابق تھا۔

اس بلند کردار کے مقابلے میں اگر ہم اپنے سوداگروں کا کردار دیکھیں تو ایسا نظر آئے گا، جیسے معاشرے کے تمام افراد ایک دوسرے کا استحصال کر رہے ہیں۔ یہ فتوے بھی دیکھنے میں آئے ہیں کہ "اپنی کسی چیز کو خواہ وہ کتنے ہی کم داموں میں خریدی گئی ہو۔ کتنے ہی زیادہ داموں میں فروخت کیا جائے وہ جائز ہے اور شریعت اس امر پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتی"۔ جب دین

مروت اور تقویٰ سے نیچے آکر صرف فتووں اور شرعی حیلہ جوئیوں پر عمل ہونے لگے تو معاملہ وہیں ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ مزید گراوٹ بھی شروع ہوجاتی ہے اور ناجائز اور خلافِ دیانت و مروت چیزوں پر بھی فتوائے جواز کا ٹھپہ لگ جاتا ہے اور استحصال کی بعض قسمیں بھی جائز و مباح تصور ہونے لگتی ہیں۔ اس وقت جاگیرداری اور سرمایہ داری اور لامحدود ملکیت بھی عین اسلام قرار پاتی ہیں خواہ ان میں کیسا ہی استحصال ہو رہا ہو۔ سادہ لوحی کا استحصال محنت کا استحصال، قیمتوں کا استحصال خرید و فروخت کا استحصال حتیٰ کہ آبرو کا استحصال، غرض کسی قسم کا استحصال بھی ہوتا ہو مگر لامحدود ملکیت، جاگیرداری اور سرمایہ داری عین اسلام ہی رہتی ہیں ۔ یہی وہ بیع مضطر اور یہی وہ مجبوروں کا استحصال ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔

یہاں ایک اور بات بھی لائق توجہ ہے ۔ ابو داؤد کی زیر بحث روایت میں دو مزید اقسام بیع کو بھی ناجائز قرار دیا گیا ہے ۔ ایک ہے بیع غرر۔ دوسرے پھل پکنے سے پہلے اس کا سودا کر لینا۔ بیع غرر ہر اس چیز کا سودا کرنے کو کہتے ہیں جو قبضے میں موجود نہ ہو۔ مثلاً "یہ کبوتر جو اڑا جا رہا ہے یا یہ مچھلی جو تیر رہی ہے ہم بیچتے ہیں" ظاہر ہے کہ یہ سودا کوئی سودا نہیں۔ اس میں ایک فریق کے نقصان کا پورا امکان موجود ہے۔ اسی طرح درخت میں پھول یا چھوٹے پھل نکلتے ہی پھلوں کا سودا کرنے سے روکا گیا ہے کیونکہ آندھی یا موسم کی خرابی سے پھلوں کے ضائع یا کم ہو جانے کا امکان ہے اور اس سے خریدار کا نقصان ہو سکتا ہے۔

بیع کی اور بھی بہت سی قسمیں ہیں جو ناجائز ہیں۔ ان سب میں مشترک علت کسی فریق کے نقصان کا قوی امکان ہوتا ہے۔ غور کیجیے جب نقصان کے امکان کے پیش نظر بے شمار اقسامِ بیع سے روک دیا گیا ہو تو ایسی بیع مضطر کس طرح جائز ہو سکتی ہے جس میں ایک فریق کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہوں اور اس نقصان کا محض امکان ہی نہ ہو بلکہ نقصان صاف نظر آ رہا ہو؟ یعنی ایک ضرورت مند اپنی مجبوری سے اپنی کوئی چیز اونے پونے فروخت کر رہا ہو۔ اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا استحصال نہیں تو اور کیا ہے؟ جو بات "دین" اور مروت دونوں کے خلاف ہو اس کے لیے جواز کا فتویٰ لفظی ہیر پھیر تو ہو سکتا ہے۔ دین کے تقاضے سے اس کا

کوئی تعلق نہیں۔

استحصال ہی کی ایک قسم ایسے مال کی فروخت ہے جس میں کوئی عیب ہو اور وہ عیب خریدار پر ظاہر نہ کیا جائے۔ حضرت عقبہ بن عامر سے ابنِ ماجہ نے ایک ارشادِ نبوی یوں نقل کیا ہے:

..... لا یحل لمسلم باع من اخیہ بیعا فیہ عیب الا بیّنہ لہ۔

کسی مسلمان کے لیے اپنے بھائی کو کوئی عیب دار سودا دینا جائز نہیں جب تک اس پر وہ عیب پوری طرح واضح نہ کر دے۔

یہاں بھی امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ایک واقعہ ہمارے لیے اسوۂ حسنہ اور درسِ عبرت ہے۔ آپ نے اپنے ایک خادم کو کپڑوں کے کچھ تھان فروخت کے لیے دیئے اور ساتھ ہی یہ ہدایت فرمائی کہ دیکھو فلاں تھان میں یہ نقص ہے جس کے ہاتھ فروخت کرنا اسے یہ عیب بتا دینا۔ ایسا نہ ہو کہ اس سے بے عیب تھان کی پوری قیمت وصول کر لو۔ وہ خادم فروخت کرتے وقت اس تھان کا نقص بتانا فراموش کر گیا۔ امام صاحب نے پوچھا تو اس نے فراموشی کا عذر پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے اچھے تھانوں کے ساتھ عیب دار تھان کو فروخت کر کے ساری آمدنی مشتبہ کر دی ہے لہٰذا میرے لیے یہ اب جائز نہیں۔ اس کے بعد آپ نے وہ ساری رقم خیرات کر دی۔

آج ہمارا کوئی خادم یہی حرکت جان بوجھ کر بھی کرے تو ہم اسے ہشیار، ذہین اور کاروبار کا اہل سمجھ کر اسے شاید انعام دیں گے۔ حالانکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو استحصال ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں یہ ساری خرابیاں ہوسِ زر نے پیدا کی ہیں۔ یہ ہوس کسی مقام پر جا کر ٹھہرتی نہیں۔ آگے سے آگے بڑھتی چلی جاتی ہے اور سرمایہ داری کی شکل اختیار کر کے سب کے ساتھ لوٹ کھسوٹ اور استحصال کا سلوک کرنے لگتی ہے۔ گراں فروشی، منافع خوری، احتکار اور ملاوٹ اور ہر قسم کا استحصال سب کچھ اسی ہوسِ زر کا رہینِ منت ہے۔ کیا ہی اچھا ہو جو حکومت زمین کی طرح دوسری دولتوں کی بھی ایک ایسی حد مقرر کر دے جس سے زیادہ واپس لے لی جائے اور رفاہِ عام پر خرچ کر دی جائے۔ پچھلے شمارے میں ہم اس موضوع پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں اسے ازسرِنو دیکھ لینا مفید ہو گا۔